نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

حقیقی عشق

پروفیسر ڈاکٹر

علامہ احمد نصیر الدین نصیر ہزاروی

(ستارۂ امتیاز)

حقیقی عشق

حقیقی عشق کے باب میں کچھ اظہارِ خیال کرنے کے لئے کوئی اور چیز نہیں بلکہ خود حقیقی عشق ہی چاہیئے، وہی ہو تو کچھ دلکش باتیں ہوں گی، وہی ہو تو کوئی مطلب کسی کے دل میں اُتر سکے گا، اِس کے بے پناہ بیان میں سے جس قدر بھی تحریر میں آسکے، خود حقیقی عشق کی روشنی میں ہونا چاہیئے، کیونکہ جب وہ خود ہی ایک نور ہے، تو اُس کو اِس کی اپنی ہی روشنی میں کیوں نہ ظاہر کیا جائے۔

حقیقی عشق کب سے ہے؟ کہاں سے آیا؟ کیوں ہے؟ کس طرح ہے؟ کب تک ہوگا؟ کہاں کہاں ہے؟ کیا یہ مجسم ہے یا مجرّد؟ اس کے حصول سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ اور اِس کے نہ ہونے سے کیا نقصان ہوتا ہے؟ عشقِ حقیقی کی عظمت و مرتبت کیا ہے؟ اور اِس کا پھیلاؤ کہاں سے کہاں تک ہے؟ اِس قسم کے سوالات کے حل کے طور پر یہ کتاب لکھی گئی ہے، اِنشاء اللہ تعالیٰ آپ کو اِس سے بہت دلچسپی اور بہت فائدہ ہوگا۔

وہ نور ہے:

یعنی عشقِ حقیقی انوارِ الٰہی میں سے ایک نور ہے، ایک ایسا عظیم نور کہ اِس سے بڑھ کر کوئی نور نہیں، کیونکہ جسم سے روح کا مرتبہ اونچا ہے، روح سے عقل کا درجہ بلندتر ہے اور عقل سے عشق ارفع و اعلیٰ ہے۔

ہم نے یہ دعویٰ تو کر ہی لیا کہ عشقِ حقیقی سب سے عظیم نور ہے، مگر ایمانداری تب ہو سکتی ہے، جبکہ یہ بھی سوال کیا جائے کہ ایسے نور کی روشنی کی کیا کیفیّت ہوتی ہے؟ اور یہ روشنی کس قسم کی تاریکی کو دور کر دیتی ہے؟

چنانچہ میں اِس کا بیان رَبّ العزت کی توفیق سے کروں گا، مگر مجھے احساس ہے یہ بہت بڑی بات ہے اور بہت اُونچی بات ہے، اِس لئے نہ صرف مجھے اِس رازِ حقیقت کو انتہائی ادب اور حرمت کے ساتھ بیان میں لانا چاہئے بلکہ آپ کو بھی نہایت ہی قدردانی کے ساتھ ایسی باتوں کی طرف توجہ دینی چاہئے تاکہ حقائق و معارف کی قدروقیمت قائم رہ سکے، اے میرے عزیزو! یہ جان رکھو کہ نور یعنی روشنی کسی چیز کے جل جانے سے پیدا ہوتی ہے اور اِس کے بغیر کوئی نور ہے ہی نہیں کہ جلنے جلانے کے سوا نور ہو، سو نورِ عشق عاشق کے جل جانے سے پیدا ہوتا ہے، اِس میں جسم، روح اور عقل تینوں چیزیں مسلسل جلتی رہتی ہیں، یعنی اُن کی تحلیل ہوتی چلی جاتی ہے، ہاں دُرست ہے یہ کام ترتیب سے اور اُصول کے

مطابق ہوتا ہے کہ جسم جل کر ایک دم سے نورِ عشق نہیں بن سکتا، بلکہ جسم کی تحلیل سے روح کا اِحاطہ بڑھ جاتا ہے اور اِس مطلب کو عام الفاظ میں ظاہر کرنے کے لئے ہم کہہ سکتے ہیں، کہ جسم کے حقیقی معنوں میں جلنے سے روح کا شعلہ بن جاتا ہے، روح کے جلنے سے عقل کا وجود بنتا ہے اور عقل کو اُس بے مثال محبوب کے حسن و جمال اور اوصافِ کمال کی محبت و حیرت کی آگ میں جلانے سے نورِ عشق پیدا ہو جاتا ہے۔

اِس مقام پر ہوشیار قاری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مجھ سے یہ سوال کرے، کہ اگر ہم یہ مان لیں، کہ عشق کی تحریک و تحلیل ہی سے روح اور عقل کا وجود بن جاتا ہے، تو پھر ہم اِس کی کیا توجیہہ کر سکتے ہیں، کہ چھوٹے بچوں میں عقل کا مایہ اور روح ہے، اور جانوروں میں بھی روح ہے، لیکن اُن میں عشق نہیں؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ بچوں میں اگرچہ کوئی کامِل عشق نہیں، تاہم عشق کا سایہ ہے یعنی عشق کی ایک خفیف صورت یا صلاحیت موجود ہے مگر یہ ابتدائی شکل میں ہونے کی وجہ سے کھانے پینے اور سونے جاگنے میں محدود ہے اِس کے علاوہ یہ بھی ایک عام مشاہدے کی بات ہے کہ بچے پیدا ہونے کے چند دن بعد روشنی کو حیرت سے دیکھنے لگتے ہیں، کچھ آگے چل کر وہ کھلونوں سے محبت کرتے ہیں، انسان کی یہی صلاحیت رفتہ رفتہ نشوونما پاکر عشق کی صورت اختیار کر

لیتی ہے۔

اب رہا جانوروں میں عشق کی کسی صورت کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں سوال، تو عرض یہ ہے کہ جانوروں میں بھی عشق کی مختلف ادنیٰ (یعنی کم سے کمتر) صورتیں موجود ہیں، مثلاً باہمی میل جول اور بچوں سے محبت، غذا کی خواہش اور حرص، اور ایسی عادتوں کی طرف ہر وقت مائل رہنا جو فطری طور پر جانوروں میں پائی جاتی ہیں۔

الغرض یہ بات حقیقت ہے کہ عشقِ حقیقی نور ہے جس کی روشنی عقل کی روشنی سے بڑھ کر ہے، کیونکہ جہاں انسانی روح فکری مشقّت کی آگ میں جل کر عقل کی روشنی بن جاتی ہے وہاں عاشقِ صادق کی عقل جمالِ جانان کی تجلّیوں کی سوزش سے نورِ عشق کی کیفیت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

نورِ عشق کی کیفیت و حقیقت کماحقہٗ بیان نہیں ہو سکتی ہے، اِس لئے کہ عشق عاشق کے اُس بھرپور جذبے کو کہا جاتا ہے، جس میں سچا عاشق ماسوائے معشوق کے ہر چیز کو اور سب سے پہلے خود کو ہیچ سمجھتا ہے، یعنی وہ ہر چیز کو اور اپنی خودی کو اِرادے کی انتہائی شدّت سے اپنے معشوق پر قربان کر دیتا ہے، اِس کیفیت کی مثال کسی چیز کو جلا کر روشنی پیدا کرنے کی طرح ہے، ایسی حالت میں یقیناً ایک حقیقی مومن میں نورِ عشق کی روشنی پیدا ہوتی ہے، جس کی

تجلّیوں کی تعریف و توصیف کے لئے مناسب الفاظ نہیں ملتے اور حق بات یہ ہے کہ حقیقی عشق کی کیفیت احاطۂ بیان سے باہر ہے، تاہم یہاں قریب قریب کی مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

اُس روشنی کی مثال:

یعنی وہی سوال کہ نورِ عشق کیسا ہے؟ اس کی مثال کیا ہے؟ اور اِس کو کس طرح سمجھ لیا جائے؟ جاننا چاہئے کہ انسان اپنی باطنی حیثیت اور قلبی حالت میں ایک بہت ہی عظیم دنیا ہے اور اِس میں عشق سورج ہے، عقل چاند ہے، روح ستاروں کا مجموعہ ہے اور جسمانیت و نفسانیت رات کی طرح ہے، دوسری مثال میں عشق بادشاہ ہے، عقل وزیر، روح امیر اور جسم رعیّت ہے۔

عشق دنیائے دل کا نور اِس لئے ہے کہ جن جن تاریکیوں کو عقل دُور نہیں کر سکتی ہے، ان کو عشق دور کر سکتا ہے، عشق ہر خام کو پختہ اور ہر ناتمام کو مکمل کر دیتا ہے، عشق وہ ہے جو جسم، روح اور عقل تینوں کو بیداری اور حقیقی زندگی بخشتا ہے، یہ انسان کی خرابیوں اور بُری عادتوں کی اِصلاح کرتا ہے، عبادت و بندگی اور روحانی ترقی کی مشکلات کو آسان کر دیتا ہے، مصائب و آلام کی تلخیوں کو خوشگوار بناتا ہے، خوف و ہراس کو امید و یقین کا رنگ دیتا ہے، یہ

بعید کو قریب لاتا ہے، پرائے کو اپنا اور دشمن کو دوست بنا لیتا ہے، نفرت کو محبت کی صورت دیتا ہے، بُرے کو اچھا قرار دیتا ہے، بدصورت کو خوبرو سمجھتا ہے۔

عشق کا مذہب و مسلک بھی ازبس عجیب ہے، یہ مذہب ایسا ہے کہ یہ ہونے کو ہے بھی اور نہ ہونے کو نہیں بھی، کیونکہ قانونِ عشق مذاہب کے تعصّبات اور اِختلافات و اِنتشارات سے بالا و برتر ہے، چونکہ عشق رحمتِ خداوندی کا نام ہے، جبکہ رحمت مہر و مہربانی اور محبت و عشق کو کہتے ہیں۔

یہ وضاحت عشق کی روشنی میں ہے اور یہ خود بھی عشق کی اتنی روشنی ہے جتنی کہ تحریر میں آسکتی ہے، اور جو عشق کی عملی روشنی ہے وہ اِس سے الگ ہے اس کو عین الیقین سے دیکھنے کے لئے یہ پہلا زینہ ہے جو علم الیقین کا زینہ ہے، اس کے بغیر کوئی شخص عین الیقین کے زینے پر نہیں چڑھ سکتا۔

جس طرح روحانی روشنی مادّی روشنی سے مختلف ہوتی ہے، اور علم و عقل کی روشنی اُس سے بھی مختلف ہوتی ہے، اِسی طرح عشق کی روشنی بھی بالکل جُدا اور قطعی نرالی چیز ہے، یہ محسوس ہوتی ہے دکھائی نہیں دیتی، مگر ہاں اس کے تحت عقل و روح کی روشنی جو خادم کی طرح کام کرتی ہے، وہ عشق کے زیرِ اثر تیز تر اور نمایاں تر ہو جاتی ہے۔

عشق کی پیدائش:

یہ عنوان اپنے اندر یہ سوال رکھتا ہے کہ عشق کب پیدا ہوا ہے؟ اور مومن میں کس طرح پیدا ہوسکتا ہے؟ اور اس میں اضافہ کیسے ہو؟ اِس کے لئے جواب ہے کہ عشق ازل سے ہے، یعنی اس کی کوئی ابتداء نہیں، بلکہ یہ ابتداء و انتہا کے بغیر ہمیشگی کی ایک حقیقت ہے، کیونکہ یہ رحمان و رحیم کا وصف ہے، اور آپ ضرور باور کریں گے، کہ خدا کی ہر صفت قدیم ہوا کرتی ہے، یعنی جس طرح ذاتِ خداوندی ہمیشہ سے ہے اسی طرح اس کی صفات بھی ہمیشہ سے ہیں۔

اب یہ سوال بہت ضروری ہے کہ بندۂ مومن میں حقیقی عشق کا وصف کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ اور کس طرح اس کی ترقی ہو سکتی ہے؟ جاننا ضروری ہے کہ عشقِ حقیقی پیدا نہیں ہوتا، مگر محبوب و معشوق کے حسن و جمال اور اوصافِ کمال کے مشاہدہ و مطالعہ سے، یا اس کی گونا گون خوبیوں اور رعنائیوں کی تعریف و توصیف کے سُننے سے۔

یعنی عشق کی پہلی شرط یہ ہے، کہ معلوم ہو کہ دلبر و دلدار ایسا ہے اور ایسی ایسی صفاتِ عالیہ کا مالک ہے۔ اس مطلب کو شناخت اور معرفت کہا جاتا ہے، اب معشوق کی شناخت جتنی مکمل اور زیادہ ہوگی اتنا عشق مضبوط اور وسیع ہوگا۔

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

دوسری شرط تقویٰ ہے، یعنی پرہیزگاری کا ہونا لازمی ہے، کیونکہ حقیقی عشق ایک انتہائی مقدس معجزہ اور ایک نہایت ہی عالی شان صفت ہے جو صرف پاک و پاکیزہ مومنین میں پیدا ہوتا ہے، اور جس دل میں ذرّہ بھر گناہ ہو عشق اس کے قریب بھی نہیں آتا۔

تیسری شرط خوش خلقی ہے، یعنی مومن کو نیک عادات اور اعلیٰ صفات کا حامل ہونا چاہیئے، تاکہ اِس قریبی نسبت سے حقیقی معشوق سے مومن کی دوستی، محبت اور عشق ہوسکے، کیونکہ دوستی و محبت جانبَین کے اوصاف کی موافقت و یک رنگی ہی سے ہوتی ہے اور مخالف و متضاد عادات والوں کے آپس میں ہرگز عشق پیدا نہیں ہوتا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

آپ کبھی تو کہتے ہیں کہ گریہ‌وزاری اور عجزو انکساری اختیار کرو، اور کبھی کہتے ہیں کہ جب تک اپنے اندر خدا کے اوصاف نہ پیدا کئے جائیں، عشقِ حقیقی نہیں ہو سکتا حالانکہ اِس وضاحت میں تضاد پایا جاتا ہے، کیونکہ گریہ‌وزاری اور عجز و انکساری سے اللہ تعالیٰ بہت بالا و برتر ہے، وہ تو عظمت و بزرگی اور قدرت و توانائی کا مالک ہے، اور یہ بھی ہے کہ اگر ہمارے لئے ممکن ہے کہ ہم اپنے اندر

خدا کی سی عادتیں پیدا کر لیں، تو پھر دوستی و عشق کی کیا ضرورت، کیونکہ جو کچھ وہاں ہے وہ یہاں بھی ہے، آپ ہی بتائیں کہ یہ سوال ہے یا نہیں؟ اور اس کا کیا جواب ہونا چاہیئے؟

جواب: جاننا چاہیئے کہ گریہ‌وزاری اور عاجزی و انکساری فی نفسہٖ مراد نہیں بلکہ اس کا نتیجہ مراد ہے، یعنی دل و دماغ کی صفائی اور روح کی پاکیزگی مقصود ہے اور روح کا پاک ہونا کسی قدر یعنی کسی حد تک خدائے پاک کی صفت کے مشابہ ہے، جس طرح شبنم کا ایک قطرہ کسی حد تک سمندر کی صفات کے مشابہ ہوتا ہے، قطرہ اپنی محدود صفات میں جو کچھ بھی رکھتا ہے، وہ سمندر کی خاصیت کے مخالف اور متضاد نہیں، وہ سمندر سے دوستی رکھنے کا محتاج ہے، ان دونوں کے آپس میں دوستی ممکن ہے کیونکہ جانبین میں یک رنگی اور ہم جنسیت و موافقت ہے، لہٰذا کوئی دانشمند نہیں کہہ سکتا کہ قطرہ سمندر کے برابر ہوگیا اب اسے سمندر سے محبت رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔

عشق طبیب ہے:

قرآنِ پاک کے پُرحکمت اِشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم کی طرح روح بھی قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے، بلکہ جسم کے مقابلے میں روح

بہت زیادہ بیمار رہتی ہے اور اس کی بیماری بھی بڑی خطرناک ہوتی ہے، کہ اگر وقت پر علاج نہ کیا گیا تو انسان جہالت و گناہ کی موت سے ہلاک ہو جاتا ہے، اور بہت بڑی دانشمندی یہ ہے کہ ہر نوع کی روحانی بیماری کا علاج عشقِ حقیقی سے کیا جائے، کیونکہ اخلاقی، مذہبی اور روحانی بیماریوں کے لئے حقیقی عشق سے بڑھ کر کوئی علاج نہیں، اِن معنوں میں عشق خود دوا بھی ہے اور خود طبیب بھی جب کہ عشق خاموشی کی زبان سے کلام کرتا ہے، بتاتا ہے، سمجھاتا ہے اور سکھاتا ہے، کیونکہ نورِ عشق میں نورِ ہدایت کی روشنی ہے، جس میں نیک توفیق بھی ہے اور اعلیٰ ہمت بھی اور سچ پوچھو تو اِس میں کیا نہیں سب کچھ ہے۔

عشق طبیب ہے اور معشوق طبیب ہے، میرے نزدیک دونوں باتیں ایک ہیں، کیونکہ عشق نمائندہ ہے معشوق کا، عشق قائم مقام ہے محبوب کا، جب عشقِ حقیقی ہماری روحوں کا علاج کر سکتا ہے تو ہم اسے کیوں نہ طبیب مانیں، اور جب بھی دل میں جانان کا کوئی ظہور ہوگا، تو عشق میں سے ہوگا، پھر ہم یہ کیوں نہ کہیں کہ عشق چراغ کی روشنی ہے اور معشوق چراغ ہے، اگر تمہارے دل میں اُس دلبر و دلدار کا مکمل عشق ہے تو مبارک ہو کہ عنقریب تم کو جانِ جان کا جلوہ دکھائی دینے والا ہے وہ یارِ جانی تم کو اپنا مقدّس دیدار دینے والا ہے، اس کے پاک عشق نے ہی پہلے پہل تم کو اس قابل بنایا کہ اب تم خود کو روحانی دیدار کے

ISW
I.S.
Institute for
Spiritual Wisdom
and
Luminous Science
Knowledge for a united humanity

مستحق سمجھ رہے ہو، شروع شروع میں تمہیں روحانی بیماریوں کی شکایت رہتی تھی، اب یہ بات نہیں رہی تو معلوم ہوا کہ عشق طبیب ہے جس نے دوا دی اور علاج کیا پھر شفا ملی۔

یہ نسخہ ہزار بار آزمودہ اور کامیاب ہے، کہ حقیقی محبت اور دینی عشق کی دستگیری اور مدد حاصل کئے بغیر کوئی مومن ایمان اور ایقان میں آگے نہیں بڑھ سکتا، راہِ روحانیت میں ترقی نہیں کر سکتا اور نہ اس کی عبادت و بندگی اور ذکر و فکر میں کوئی جان ہوتی ہے، حقیقت میں ایسے شخص کی زندگی کی کوئی قدروقیمت نہیں۔

مرضِ روحانی کی علامتیں:

روحانی بیماری کی عام علامتیں یہ ہیں۔ شوقِ عبادت کا فقدان، ذکر و بندگی میں سُستی و کاہلی، دل میں طرح طرح کے وسوسوں کا آنا، خوفِ بے جا، بے چینی، ذکر و عبادت کا سلسلہ قائم نہ رہنا، عبادت کے الفاظ ادا کرنے میں لغزش، قساوتِ قلبی (دل کی سختی) یعنی بندگی اور وعظ و نصیحت کے درمیان دل کا نرم نہ ہوجانا، اور گریہ وزاری کے فیض سے بے بہرہ رہ جانا وغیرہ۔

غیبت، شکایت، بدگوئی اور بیہودہ باتوں میں مصروف رہنے کی عادت، جھوٹ

بولنا، معمولی باتوں میں بار بار قسمیں کھانا، نیک صحبت اور علم کی باتوں سے گریز کی خواہش، دینی قِسم کی مایوسی، علمائے دین سے بُغض رکھنا، غیروں کی باتوں سے دلچسپی اور حرام کو چاہنا، خواہ وہ حرام صرف دل کی نیت تک محدود ہو یا وہ قولِ حرام ہو یا کوئی حرام عمل ہو، ہر حالت میں حرام ہی ہے اور اس کی خواہش روحانی بیماری ہے جو بنیادی قِسم کی ہے۔

غرض یہ ہے کہ خدا و رسولؐ اور صاحبانِ امر کے حکم کے مطابق جو چیزیں ممنوع ہیں ان کو چاہنا اور اُن سے دوستی رکھنا روحانی بیماری کی علامت ہے، جبکہ دوسری طرف سے دینی حکم کے موافق اعمالِ صالح سے دوستی ہونا روح اور دل کی صحت کی علامت ہے۔

مذکورۂ بالا تمام روحانی بیماریوں کا علاج عشق ہی سے کیا جاسکتا ہے، کیونکہ عشق ہی طبیب ہے، عشق ہی دوا اور علاج ہے اور عشق ہی شفا ہے، جبکہ عقیدہ، اِخلاص، محبت، ایمان، یقین، اور معرفت عشق کے بغیر نہیں، اگر دینی امور میں عشق ہے تو کوئی چیز مشکل نہیں، عشق وہ معجزہ ہے جس سے مشقت راحت بن جاتی ہے، عشق وہ ہے جو عاشق کو معشوق سے ہمکنار کر دیتا ہے بلکہ خود عاشق کو معشوق بنا دیتا ہے۔

عشق کے درجات:

قرآنِ حکیم میں دینی قسم کی محبت و دوستی اور ولایت فرض کی گئی ہے، جس کا ہم یہاں عشق کے عنوان سے ذکر کر رہے ہیں، اگرچہ لفظِ عشق قرآن میں بظاہر موجود نہیں لیکن مترادفات میں اِس کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور حروفِ مقطعات میں بھی، اور اگر دقتِ نظر سے کام لے کر دیکھا جائے، تو یہ حقیقت کُھل کر سامنے آئے گی، کہ دنیائے قرآن کی تمام چیزیں عشقِ خدائی کے رنگ میں رنگی ہوئی ہیں، جس کا اِشارہ (۱۳۸:۲) میں ہے، اور اِس قول میں کیا شک ہو سکتا ہے، جبکہ خداوندِ عالم نے ارشاد فرمایا کہ: وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ وَ زَیَّنَہٗ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ (۷:۴۹) لیکن خدا نے تمہیں ایمانِ حبیب و عزیز قرار دیا اور اِس کی خوبصورتی و عمدگی تمہارے دلوں میں ظاہر کر دی، یعنی ایمان نہ صرف محبت و جاذبیت و دلکشی کی تاثیر ہے بلکہ اِس میں یہ خاصیّت بھی ہے کہ جب ایک حقیقی مومن کے دل کی آنکھ کُھل جاتی ہے تو اُس وقت ایمان اُس کے روحانی مشاہدے میں تجلّیاتِ نورانیت کی جنت بن کر سامنے آتا ہے اِس کا مختصر مطلب یہ ہوا کہ ایمان پیارا ہے، وہ پیار چاہتا ہے، ایمان ہر چیز سے حسین اور خوبصورت ہے، کیونکہ حکمت میں ایمان ہی بہشت ہے، اور اسی میں تمام لذتیں پوشیدہ و پنہان ہیں، اس میں کسی چیز کی کمی نہیں۔

جب ایمان پیار و محبت کا سرچشمہ ہے، جب یہ حقیقی محبت کی دعوت کرتا

ہے، جب اِس کی ہر بات اور ہر کام میں مہر و شفقت ہے اور جب اس کا انجام حقیقی عشق ہے تو کیوں نہ مانیں کہ دین محبت ہی محبت ہے اِس قول کی مراد یہ ہے کہ قرآن و سنّت کی تعلیمات میں ہمیشہ اِس بات پر زور دیا گیا ہے کہ دین کے تمام اُمور خوشی اور محبت سے انجام دئے جائیں، کیونکہ دین میں اِکراہ (زبردستی ۲۵۶:۲) نہیں، یعنی دین میں ہر بات اور ہر کام خوشی اور محبت کے تصوّر سے کرنا ہے اور یہی طریقہ سب سے بہتر اور یہی تصوّر سب سے ارفع و اعلیٰ ہے، اور خدا کی خوشنودی کا سبیل بھی یہی ہے، اگرچہ دین میں جہاد اور خوفِ خدا جیسی چیزیں بھی ہیں، لیکن انجام میں محبت اور خوشی و خوشنودی مقصود ہے۔

اب ہم یہاں حقیقی محبت اور نورانی عشق کے مراتب و درجات کے باب میں کچھ تذکرہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں، اس کا سب سے اونچا درجہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے، پھر حضرت رسول محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپؐ کے اہلِ بیتِ اطہار و ائمۂ پاک علیہم السّلام کے عشق کا مرتبہ ہے، پھر گروہِ مومنین کی محبت ہے، اور اِس کے بعد نیک باتوں اور اچھے کاموں سے محبت رکھنے کا رُتبہ ہے، ظاہر ہے کہ خدا و رسولؐ سے محبت و عشق رکھنے میں کوئی اختلاف نہیں، اور نہ ہی مومنوں کے آپس میں ایمانی دوستی و محبت رکھنے کی بابت کوئی شک ہے، لیکن مقامِ تعجب ہے کہ امیر المومنین یعنی امامِ زمانؑ کی محبت کے باب میں لوگوں

کو کیوں سوال پیدا ہوتا ہے! اور بعض دفعہ اہلِ بیتِ اطہارؑ کی محبت کے متعلق بھی تامّل کیا جاتا ہے، حالانکہ اہلِ بیتِ رسولؐ اور امامِ زمانؑ کی دوستی و محبت مایۂ ایمان اور ذریعۂ عرفان ہے۔

عشق کے مقاصد:

یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ عشق کے بہت سے مقاصد ہیں، جو ابتداء سے لے کر انتہا تک ترتیب وار اور درجہ وار ہیں، اور ان کے آخر میں جو سب سے عظیم مقصد ہے، وہی اس سلسلے کا مقصدِ اعلیٰ ہے، اور وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا مبارک عشق ہے۔

ذاتِ سبحان کا مقدس عشق بلاواسطہ حاصل نہیں ہوتا، یہ صرف پیغمبرِ برحقؐ ہی کے وسیلے سے ممکن ہے، پیغمبر علیہ السّلام کی جانب سے عشقِ الٰہی کے رستے کی ہدایت اُس وقت مل سکتی ہے، جبکہ ہم رسول و اہلِ بیت اور ائمۂ ہُدا علیہم السّلام سے دوستی و محبت رکھیں قانونِ الٰہی یہی ہے، اسی میں دین کی تمام حکمتیں پوشیدہ ہیں یہیں سے اسرارِ معرفت کا ظہور ہوتا ہے، یہی راستہ صراطِ مستقیم کہلاتا ہے، اسی مقام پر نور ملتا ہے، اور یہی طریقہ اسلام کی اصل اور روح کے عین مطابق ہے۔

دینی محبت اور حقیقی عشق اِس لئے ضروری ہے کہ اِس سے فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں بڑی حد تک آسانی پیدا ہو جاتی ہے، دین کی لگن اور وابستگی اسی میں ہے، جذبۂ ایثار و قربانی اس کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا، اسی حقیقی عشق کے حاصل ہونے سے دنیا کی محبت اور خواہشاتِ نفس پر قابو پانا ممکن ہے، یعنی اسی کے ذریعے سے باطل چیزوں کی محبت زائل یا کم ہو سکتی ہے، اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ دوزخ کے خوف اور بہشت کی طمع سے بالاتر ہوکر ، خدا و رسولؐ اور صاحبِ امرؑ کی حقیقی اطاعت اسی وسیلے سے کی جاسکتی ہے، یہی تسلیم و رضا کا اصل طریقہ ہے، یعنی خود کو خدا کے سپرد کر دینے اور اس کی خوشنودی کا طالب رہنے کا راستہ یہی ہے، اور تائیدِ غیبی و نُصرتِ خداوندی بھی اسی حقیقی عشق میں کار فرما ہے۔

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

عشق کا ذریعہ:

اگر کوئی پوچھے کہ عشق کا ذریعہ کیا ہے؟ تو بتا دینا کہ عشق کا اصل ذریعہ اور بنیادی وسیلہ خود معشوق ہی ہے، کیونکہ عشق کی علّتِ اُولیٰ وہی ہے، یہ اسی کی وجہ سے ہے کہ عاشق دردِ عشق میں مبتلا ہوا ہے، اور اُس پر طُرّہ یہ کہ میں اکثر عاشقوں کی محفل میں جاکر اُن کے دل کے زخموں پر نمک پاشی اِس طرح

سے کرتا ہوں، کہ نظم و نثر کی صورت میں یارِ جانی کے حسن و جمال کی تعریف و توصیف کرتا ہوں، اگرچہ یہ میرے بس کی بات تو نہیں ہے، کہ اِس شاہِ خوبان کی لاتعداد خوبیوں میں سے کسی ایک خوبی کی درست نقشہ کشی کر سکوں، لیکن تذکرۂ حسنِ جانان کی تاثیر کا یہ عالم ہے، کہ جوں ہی محبوب کا نام لیا گیا، ادھر عاشقوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کے آبدار موتی برسنے لگے، میں نہ سہی کوئی اور سہی، مگر حق بات یہ ہے کہ میرے دلبر و دلستان کی بے مثال و لازوال زیبائی و رعنائی کی پیاری باتیں کرنے سے اہلِ عشق کی عاجزی و انکساری کی حدّ ہو جاتی ہے، جس سے اُن کا عشق اور بھی قوی ہو جاتا ہے، کیونکہ ان کے آئینۂ دل میں اِس گریہ‌وزاری سے صفائی اور جِلا پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اُس میں یارِ دلنشین کے چہرۂ زیبا کا عکس جھلکتا رہتا ہے۔

اِس بیان کا مقصد یہ ہے کہ **عشق کے ذریعے** کی **عملی** وضاحت کر دی جائے، تاکہ معلوم ہو، کہ کس طرح حقیقی عشق میں اضافہ ہوسکتا ہے، جس کے متعلق واضح طور پر مثال پیش کرکے بتایا گیا کہ عشق حسن و جمال کی دلکشی و جاذبیّت کا نام ہے، چنانچہ اگر عشق میں اضافہ کرنا ہے تو بار بار خصوصی طور پر یعنی نورانیت میں دیدارِ یار چاہیے، لیکن ایسا دیدار ہر عاشق کو کہاں حاصل ہوتا ہے۔ کوئی اور عام دیدار کا سہارا لیا جائے، مثلاً چند ہم خیال عاشق باہم مل کر

خِلوت و فراغت میں بڑے مزے سے عشق اور معشوق کی پیاری پیاری باتیں کرلیا کریں، یہ ایک طرح کا دیدار ہے یعنی اِس ذریعے سے روحانی محبوب تصوّر اور خیال میں آسکتا ہے، یہ کام مجمع کے علاوہ تنہائی میں بھی ہوسکتا ہے۔

حقیقی محبت کے فوائد:

حقیقی محبت جب شدید ہو، تو اُسے عشق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں، کہ عشق ایک نور ہے، اور جاننا چاہیئے کہ روحانی یعنی باطنی نور کے اوصاف مادّی اور ظاہری نور کے مقابلے میں ارفع و اعلیٰ اور افضل و اکمل ہوا کرتے ہیں، مگر یہ بیان جس میں ہم نے نورِ عشق کی مثال سورج سے دے کر دونوں کے فرق کو اعلیٰ اور ادنیٰ سے ظاہر کیا، میری مجبوری اور بے چارگی کا ثبوت ہے، چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔

بہرحال نورِ محبت میں عشق اور عقل و روح کی روشنی ہے، یعنی اِس کی بدولت عاشقِ صادق کے باطن میں دنیائے محبت، دنیائے دانش اور دنیائے روحانیت روشن ہو جاتی ہیں، اس نور میں جیسا کہ ہونا چاہیئے گرمانے، پگھلانے، جلانے اور ہم رنگ و ہم صفت بنالینے کی خاصیتیں موجود ہیں، جن کی بدولت ایک خام و ناتمام انسان پختہ اور کامل ہو جاتا ہے، دل میں رقّت و نرمی کی کیفیت پیدا ہو جاتی

ہے، جس میں بہت سی رحمتیں اور برکتیں پوشیدہ ہیں، گناہوں کے ڈھیر میں آگ لگائی جاسکتی ہے، جس طرح دنیا کی آگ لکڑی ہو یا کوئلہ ہر قسم کے ایندھن کو اپنا رنگ اور اپنی صفت عطا کرکے اپنا لیتی ہے، اسی طرح نورِ عشق جس میں آتشِ محبت ہے، نیک انسانوں کے علاوہ کسی سیاہ کار کو بھی جلا جلا کر انگارا اور شعلہ بنا سکتا ہے، اِس حالت کو فنائے عشق کہا جاتا ہے۔

ایک عظیم حکمت :

قرآنِ حکیم کی (۲۷:۸) میں اِرشاد فرمایا گیا ہے کہ: پس جب موسیٰ اُس آگ کے پاس آئے تو اُن کو آواز آئی کہ مبارک ہیں جو اِس آگ کے اندر ہیں اور اور جو اِس کے گرد ہیں اور وہ خدا جو سارے جہان کا پالنے والا ہے پاک و پاکیزہ ہے (۲۷:۸)۔

آپ غالباً سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ قرآنی قصہ حضرت موسیٰ اور وادئ ایمن کا ہے، جہاں ان کو پہلے پہل کچھ دُور سے آگ کی روشنی نظر آئی تھی، مذکورۂ بالا اِرشاد میں اسی مطلب کا تذکرہ ہے، اب یہاں چند اہم سوالات پیدا ہوتے ہیں، کہ وہ آگ کس نوعیّت کی آگ تھی؟ کیا وہ آتشِ عشقِ الٰہی تھی یا ذاتِ خدا کی تجلّی؟ اس کے اندر کون تھے اور اس کے گرد کون؟ اگر آپ یہ کہتے ہیں

کہ اُس روشنی کے اندر ذاتِ سبحان مخفی تھی، تو پھر سبحان کا کیا مطلب ہوا؟ اس کے علاوہ یہ بھی ایک بہت بڑا سوال ہے کہ جو کوئی اُس مقدّس آگ کے اندر ہے اور جو اس کے گرد ہیں ان کو اِس وجہ سے برکت دی گئی ہے کہ وہ آگ میں اور اس کے قریب ہیں، تو کیا آپ یہ بات ماننے کے لئے تیار ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی دوسری چیز کی بدولت "برکت دیا گیا" کہلاتا ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

میں نے اِس کتابچہ کے شروع ہی میں یہ بتادیا ہے کہ عشق انوارِ الٰہی میں سے ایک نور ہے، ایک ایسا عظیم نور کہ اِس سے بڑھ کر کوئی نور نہیں، جس کا مظہر انسانِ کامل ہے، جو عشقِ خداوندی کا معجزاتی آئینہ ہے، تم سورج سے کہو کہ وہ تمھارے پاس آجائے اور اِس کے لئے بہت کچھ منّت سماجت کرو پھر بھی نہیں آئے گا، لیکن تم اس کو جیسے ہی آئینہ دکھاؤ گے وہ اِس میں ایک طرح سے تمہارے پاس اُتر آئے گا، یہ اِس مطلب کی مثال ہے، کہ **ہادیٔ برحقؑ اوصافِ ربّانی کے ظہور کا آئینہ ہے**، چنانچہ خدا کی اُس سُنت کے مطابق جس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی، موسیٰ سے پہلے بھی ہادی تھا، جس کے وسیلے اور توسط سے موسیٰ علیہ السّلام نے عشقِ الٰہی کی تجلّی دیکھی، جب سورج کی تجلّی آئینہ سے ظاہر ہوتی ہے تو اُس وقت آئینہ روشنی کے اندر ہوتا ہے اور دیکھنے والا اس کے گرد رہنے والوں میں سے ہوتا ہے، مذکورہ آیت کا اشارہ اسی عظیم حکمت کی طرف تھا۔

معشوق میں عشق:

آپ تو یہ کہتے ہیں کہ عشق صرف عاشق کا وصف ہے، کیونکہ یہ اُسی سے ظاہر ہوتا ہے،اور یہ کیفیت و حقیقت اسی کے دل و دماغ میں پائی جاتی ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ عشق کا اصل سرچشمہ خود معشوق ہی ہے، لہٰذا عشق سب سے پہلے معشوق کی ذات میں ہوتا ہے، اِس کا ابتدائی ظہور محبوب ہی سے ہونے لگتا ہے، اور عشق یا دعوتِ عشق کا یہ ظہور ظاہری اور باطنی اوصاف کے حسن و جمال کی تجلّیات کی حیثیت میں ہے، جو ہر وقت اہلِ بصیرت اور اصحابِ وفا کو اپنی طرف متوجّہ کئے رکھتا ہے، اور عشق و محبت سب سے پہلے معشوق کی ذاتِ عالی صفات میں موجود ہونے کا ثبوت یہ ہے جو حدیثِ قدسی میں ارشاد ہوا ہے کہ: کُنتُ کنزاً مَخفیاً فاحبَبتُ اَنْ اُعرفَ فَخَلقتُ الخَلقَ میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا سو میں نے اِس بات سے محبت کی کہ میرا تعارف ہو پس میں نے خلق کو پیدا کیا۔

آپ نے دیکھا کہ محبت سب سے پہلے کہاں پیدا ہوئی، یا یہ کس ذات میں موجود تھی، یہی نا کہ محبت پہلے پہل خداتعالیٰ میں تھی، اور وہ کچھ اِس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی دوسری تمام صفات سے پیشتر محبت کا ظہور ہوا، یعنی ربُّ العزت کو اِس امر سے محبت ہوئی کہ اس کی شناخت و معرفت ہو، پھر ہمیں کسی جھجک کے

بغیر یہ بھی کہنا چاہئے کہ خدا کو ازل ہی سے اپنے عاشقوں اور عارفوں سے محبت اور عشق ہے، اِس لئے کہ اس کو اپنے تعارف کرانے سے عشق ہے اور اس لئے کہ اس کو اپنے جلال و جمال سے عشق ہے۔

خدا میں عشق:

عشق اگر ہم میں ہے تو ناتمام و نامکمل ہے، اور اگر یہ کسی کامل انسان میں ہے تو مکمل اور ہر قسم کی خوبیوں سے بھرپور ہے اور جہاں یہ خدا میں ہے، تو وہاں پر یہ ایک مقدس نور ہے، ایک خداوندی صفت ہے بلکہ جملہ صفاتِ الٰہی میں عشق کے معنی پائے جاتے ہیں کیونکہ عشق و محبت رحمت کے معنی سے مختلف نہیں، یہ خود رحمت ہے یعنی مہر اور رحمت یا کہ مہرِالٰہی نے کائنات و موجودات کو ظاہراً و باطناً گھیر لیا ہے، اور ہر چیز رحمت کے بے پایان سمندر میں ڈوبی ہوئی ہے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ عشق خدا کے اوصاف میں موجود ہے مگر اِس طرح سے نہیں جس طرح کہ ہم میں اور تم میں ہے، وہاں تو شانِ بے نیازی اور بڑائی اور بزرگی کی انتہا پر ہے، ہم عشق میں گریہ‌وزاری کرتے ہیں، ہم میں اضطراب اور بیقراری و بیتابی کی کیفیت ہوتی ہے، مگر خدا کی شان میں ایسا کوئی تصوّر درست نہیں، سمندر کا پانی انتہائی پُروقار اور خاموش ہوتا ہے، مگر ایک چھوٹی سی ندی کے

سامنے جہاں کوئی نشیبی علاقہ آتا ہے اور جہاں پتھر آتے ہیں وہاں وہ شور مچاتی ہے، کیونکہ اس کو چوٹ آتی ہے، دھکّا لگتا ہے اور صدمہ پہنچتا ہے مگر سمندر کو کچھ نہیں ہوتا۔

خام عشق اور پختہ عشق:

اگر کوئی آدمی ایسا ہو کہ وہ عشقِ حقیقی کا دعویٰ کرتاہے اور شاید یہ سمجھتا ہے کہ وہ عاشقِ صادق ہے، تو اسے اپنے آپ کو آزمانا چاہیئے اور یہ بات ہمیشہ کے لئے پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ عشق کا پھل شروع شروع میں خام و ناتمام ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ یہ کچا پھل پختہ ہو جاتا ہے یعنی یہ پک جاتا ہے، کچے اور پکے میں فرق و امتیاز رنگ، بُو اور ذائقہ سے ہوسکتا ہے، ویسے تو رنگینی اور خوشبو اس وقت بھی عمدہ قسم کی ہوتی ہے جبکہ درخت میں پھل لگنے کے لئے پھول کھلتا ہے، مطلب یہ ہے کہ حقیقی عشق کا ثبوت اخلاق کی بلندی اور علم و حکمت کی پختگی کے بغیر ممکن نہیں۔

حقیقی عشق اور مجازی عشق:

جب یہ کتابچہ عشق کی پیاری پیاری باتوں پر مبنی ہے، تو لازمی ہے کہ

کچھ مختصر سا بیان عشقِ مجازی کا بھی کر دیا جائے، چنانچہ جاننا چاہئے کہ عشقِ حقیقی کے مقابلے میں عشقِ مجازی ایسا ہے جیسے نور کے مقابلے میں ظلمت، خیر کے سامنے شرّ، کیونکہ یہ عدل ہے اور وہ ظلم، یہ جنت کا رستہ ہے اور وہ دوزخ کی راہ، اس میں انسان کی عزت و شرافت اور روسپیدی ہے اور اس میں ذلّت و کمینگی اور روسیاہی، اِس کا نتیجہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کی صورت میں نکلتا ہے اور اُس کا انجام غضبِ الٰہی اور عذابِ جہنم ہے، حقیقی عشق سے علم و حکمت کے سرچشمے پھوٹتے ہیں اور مجازی عشق ہر قسم کی ظاہری اور باطنی بیماریوں کی جڑ ہے۔ پس دانشمند کو چاہئے کہ وہ ان دونوں باتوں کے نفع و نقصان کے بارے میں لوگوں کو سمجھا دے اور نصیحت کرے۔

علاّمہ نصیر الدّین نصیر ہونزائی

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

رازِ عشق

یاالٰہی! تو عطا کر دے مجھے فیضانِ عشق
تاکہ ہو جاؤں ہمیشہ بندۂ سلطانِ عشق

میں گدا ہوں اس کے در کا اور مریضِ عشق بھی
یا طبیبِ آسمانی! دے مجھے درمانِ عشق

اے حسینِ بے مثال! اے نورِ عشقِ باکمال!
جان فدا ہو تجھ سے ہر دم چونکہ تو ہے جانِ عشق

شاہِ خوبانِ دو عالم! نورِ چشمِ عاشقاں!
غیرتِ حور و پری ہے جانِ عشق جانانِ عشق

ماہِ من! اے شاہِ من! تو حکم فرما دیجئے
ہے قبولِ جان و دل تیرا ہر فرمانِ عشق

یہ نہیں معلوم مجھ کو راز کیا ہے؟ رمز کیا؟
اس لئے ہوں میں ہمیشہ والہ و حیرانِ عشق

میں نہیں تنہا غریق تیرے بحرِ عشق میں!
ہیں سبھی غرقاب تجھ میں دیکھ لے طوفانِ عشق!

IsWLS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

عشق سے مر کر اسی میں زندہ ہے، ہاں زندہ ہے
یہ نصیرؔ تیرا گدا اے جانِ عشق جانانِ عشق!

اسلام آباد، گزشتہ تاریخ: منگل ۲۹ مئی ۲۰۰۱ء
ایڈیٹنگ کی تاریخ: منگل ۲۳ ستمبر ۲۰۰۳ء

Institute for
Spiritual Wisdom
and
Luminous Science
Knowledge for a united humanity